ڈاکٹر حافظ انس مدنی[1]

اُصولِ تفسیر کی تاریخ وتدوین

Abstract

The principles of exegesis that are applied when interpreting the Qur'ān are called Uṣūl al-Tafsīr. In this treatise, the history and the compilation of these principles are discussed in detail. Moreover, the sources and sciences where references to these principles are made are also identified. It is notable that only few books are entitled as Uṣūl al-Tafsīr therefore; majority of these principles are either found in the prefaces of the reference books of Tafsīr, Books on the Sciences of Qur'ān ('Ulūm al-Qur'ān) or the books on the Principles of Jurisprudence (Uṣul al-Fiqh).

The thesis does not only include the principles of Tafsīr followed at the time of Prophet's Companions and their followers (Tabi'īn), but the distinctive qualities of the exegesis of their times are also highlighted.

'اصول' کی تعریف

'اصول' اصل کی جمع ہے، جس کا معنیٰ ہے: جڑ، بنیاد اور نسل وغیرہ مثلاً "فَارِسيّ الأَصْل" ایسے شخص کو کہا جاتا ہے، جو اہلِ فارس کی نسل سے ہو، گویا اس کی جڑ اور بنیاد فارس ہے۔ یا کہا جاتا ہے: "ثَبَتَ أو رَسَخَ أَصْلُهُ" یعنی اس کی بنیاد پختہ ہو گئی ہے۔[2]

اصطلاحی طور پر اُن اُصول ومبادی کو اُصول کا نام دیا جاتا ہے، جو کسی علم وفن میں بنیادی حیثیت رکھتے ہوں اور

---

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور یونیورسٹی، لاہور

[2] الفيروز آبادي، مجد الدين أبو طاهر، القاموس المحيط: ص1242، مؤسسة الرسالة ، بيروت، الطبعة الثانية، 1426هـ

جن سے احکام نکالے جاتے ہوں۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'اصل' وہ ہے جو خود بنفسہٖ قائم ہو اور دوسری چیزوں کی بناء اس پر ہو۔[2]

'تفسیر' سے مراد

'تفسیر' بابِ تفعیل کا مصدر ہے، اس کے حروفِ اصلی (ف، س، ر) ہیں۔ عربی زبان میں 'فسر' کھولنے، بیان کرنے اور واضح کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ بازو کھولنے کے لئے عربی میں "فَسَرْتُ الذِّرَاعَ" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح "فَسَّرْتُ الْحَدِيثَ" کا معنیٰ ہے 'میں نے بات کو واضح کیا'۔ مجرد سے یہ بابِ "ضَرَبَ يَضْرِبُ" اور "نَصَرَ يَنْصُرُ" دونوں کے وزن پر آتا ہے۔ "فسر" کا معنیٰ بے حجاب کرنا بھی ہے، تفسیر کرتے وقت بھی مشکل لفظ کے معنیٰ و مفہوم کو گویا بے حجاب کیا جاتا ہے۔[3]

اصطلاحی طور پر تفسیر سے مراد 'قرآنِ کریم کے معانی کا فہم اور اس کے احکام کا علم' ہے۔

امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 816ھ) نے علم تفسیر کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"هو توضيح معنى الآية وشأنها وقصّتها والسّبب الذي نزلت فيه بلفظ يدل عليه دلالة ظاهرة."[4]

"اس (تفسیر) سے مراد کسی آیتِ کریمہ کے معنیٰ، قصہ اور سببِ نزول کی وضاحت ایسے الفاظ سے کرنا ہے جو اس پر ظاہری طور پر دلالت کرتے ہوں۔"

امام ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 745ھ) فرماتے ہیں:

"هو علم يَبحث عن كيفية النُّطق بألفاظ القرآن، ومدلولاتها، وأحكامها الإفرادية والتركيبية، ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب، وتتمّات لذلك."[5]

"تفسیر وہ علم ہے کہ جس کے ذریعے قرآنی الفاظ کا تلفظ، ان کے مفاہیم، ان کے افرادی و ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن پر ترکیبی حالت استوار ہوتی ہے اور ان کے متعلق دیگر تکمیلی علوم پر غور کیا جاتا ہے۔"

---

1 کیرانوی، وحید الزمان، مولانا، القاموس الوحید: ص126، ادارہ اسلامیات، لاہور، اشاعت اول، 2001م

2 الجرجاني، علي بن محمد، كتاب التّعريفات: ص22، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1983م

3 ابن منظور، جمال الدين، محمد بن مكرم، الأفريقي، لسان العرب لابن منظور: 2/ 361، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1955م

4 التّعريفات: ص55

5 الأندلسي، أبو حيان، محمد بن يوسف، البحر المحيط: ص13، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى، 1420هـ

- كيفية النطق بألفاظ القرآن: سے مراد علم القراءات ہے۔
- ومدلولاتها: سے مراد علم لغت ہے جس کی تفسیر میں اشد ضرورت ہوتی ہے۔
- أحكامها الإفرادية والتركيبية: سے مراد علومِ صرف، نحو، بیان اور بدیع وغیرہ ہیں۔
- ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب: سے مراد حقیقی ومجازی معانی ہیں۔
- وتتمّات لذلك: سے مراد ناسخ ومنسوخ اور اسباب نزول وغیرہ کا علم ہے۔

امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 794ھ) رقمطراز ہیں:

"علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيّه محمّد ﷺ وبيان معانيه واستخراج أحكامه وحكمه." [1]

"تفسیر وہ علم ہے جس کی مدد سے نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کے معانی سمجھے جاتے اور اس کے احکام ومسائل اور اسرار وحکم سے بحث کی جاتی ہے۔"

امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ ہی دوسری جگہ علم تفسیر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"هو علم نزول الآية وسورتها وأقاصيصها والإشارات النازلة فيها، ثم ترتيب مكّيها ومدنيّها، ومحكمها ومتشابهها وناسخها ومنسوخها وخاصّها وعامها ومطلقها ومقيّدها ومجملها ومفسّرها." [2]

"تفسیر سے مراد آیات وسور کے نزول، قصص اور ان کے بارے میں نازل شدہ اشارات، مکی ومدنی سورتوں، محکم ومتشابہ، ناسخ ومنسوخ، خاص وعام، مطلق ومقید اور مجمل ومفسر آیات کا علم ہے۔"

تفسیر کی ایک تعریف یہ بھی کی جاتی ہے:

"علم يُبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالته على مراد الله تعالى بقدر الطّاقة البشريّة." [3]

"یہ وہ علم ہے جس میں بشری استطاعت کی حد تک قرآنِ کریم سے مراد باری تعالیٰ معلوم کرنے کی جستجو کی جاتی ہے۔"

دوسرے اور تیسرے قول کو دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ علم القراءات اور علم الرسم وغیرہ تفسیر میں شامل نہیں۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ بھی تفسیر میں شامل ہیں، کیونکہ قراءات، رسم اور اوقاف میں تبدیلی کی بناء پر معنیٰ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً فرمان باری تعالیٰ ﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا

---

[1] الزركشي، بدر الدين محمد بن عبد الله، البُرهان في علوم القرآن: 1/ 13، دار إحياء الكتب العربية، مصر، الطبعة الأولى، 1957م

[2] البرهان في علوم القرآن: 2/ 148

[3] الزرقاني، محمد عبد العظيم، مناهل العرفان في علوم القرآن: 2/ 3، مصر، الطبعة الثالثة

بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾[1] میں ﴿ وَ اَرْجُلَكُمْ ﴾ اور ﴿ وَ اَرْجُلِكُمْ ﴾ دو متواتر قراءتیں ہیں اور دونوں کا معنیٰ مختلف ہے، لہٰذا تفسیر میں بھی فرق ہوگا، اسی طرح ﴿ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ ﴾[2] اور ﴿ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾[3] میں ﴿أَمْ مَّنْ﴾ مفصولہ 'بلکہ' کے معنیٰ میں ہے جبکہ ﴿ اَمَّنْ﴾ موصولہ کا معنیٰ مختلف ہے، اور یہ معانی کا فرق اختلافِ رسم کی وجہ سے ہے۔ وقف کی وجہ سے تبدیلی معنیٰ کی مثال ﴿ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ ﴾[4] ہے۔ ﴿ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف کرنے سے معنیٰ یہ بنتا ہے کہ متشابہات کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو معنیٰ یہ ہے کہ متشابہات کا معنیٰ راسخ العلم علماء بھی جانتے ہیں۔ یہ دونوں کلمات کی علیحدہ علیحدہ تعریف ہے، اگر ان دونوں کو ملایا جائے تو 'اصولِ تفسیر' مرکبِ اضافی ہے، جس کا معنیٰ ہے 'قرآن کریم کے علوم ومعارف کے حصول کے بنیادی قوانین'۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 728ھ) فرماتے ہیں:

"مجموعة القواعد التي ينبغي أن يسير عليها المفسّرون في فهم المعاني القرآنية وتعرف العبر والأحكام من الآيات."[5]

"اصولِ تفسیر ان قواعد کے مجموعے کا نام ہے جن کا لحاظ رکھنا مفسرین کے لئے معانی قرآن کے فہم اور آیات سے مستنبط حِکَم واحکام کی پہچان کے لئے نہایت ضروری ہے۔"

تاریخ اُصولِ تفسیر

قرآن پاک کے نزول کا بنیادی مقصد اس کی آیات کی تلاوت اور احکام میں غور وفکر اور ان سے نصیحت حاصل کرنا ہے، لیکن اگر یہ ہی واضح نہ ہو کہ قرآنِ کریم کے احکام میں تدبّر کیسے کرنا ہے؟ وہ کیا اُصول وضوابط ہیں جن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم میں غور وفکر کیا جائے؟ تو یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اُصول تفسیر کی تدوین اگرچہ بعد میں ہوئی ہے، لیکن ان کی تاریخ لا محالہ اسی وقت سے شروع ہوتی ہے، جب سے قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔

---

[1] سورة المائدة:5: 6

[2] سورة النّسآء:4: 109

[3] سورة الملك:67: 22

[4] سورة آل عمران:3: 7

[5] ابن تيمية، أحمد عبد الحليم، مقدّمة في أصول التفسير: ص3، دار مكتبة الحياة، بيروت، الطبعة الأولى، 1980م

قرآنِ کریم جس قوم پر نازل کیا گیا وہ قوم اُمی تھی جو نہ لکھ پڑھ سکتی تھی اور نہ حساب وکتاب کر سکتی تھی لیکن وہ قلب وزبان سے محروم نہ تھی۔ ان کے ہاں شعر وشاعری اور ضرب الامثال منتشر تھے جو در اصل ان کے تجرباتِ زندگی کا نچوڑ تھے، ان کے اسالیبِ کلام متنوّع ہوا کرتے تھے۔ ان کا اندازِ تکلّم اور طرزِ تخاطب تنوع وتفنّن کی وجہ سے اسرار وحکم سے بھرپور ہوا کرتا تھا، جس میں حقیقت ومجاز، تشبیہ واستعارہ، تصریح وکنایہ اور ایجاز واطناب سب انواعِ سخن شامل تھے۔

اپنی زبان دانی پر انہیں اتنا فخر تھا کہ وہ اپنے سوا تمام قوموں کو، خواہ وہ تہذیب وتمدّن کے اعتبار سے ان پر کتنی ہی فائق اور اس دَور کی سپر پاور ہی کیوں نہ ہوں، عجمی یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔ اور ان کا یہ فخر بے جا بھی نہ تھا، واقعی ہی وہ اپنی زبان کی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے دیگر تمام قوموں پر ہر لحاظ سے حاوی تھے، جس کی صرف یہی ایک دلیل کافی ہے کہ قرآن کریم اس دَور کی عربی زبان کے مطابق اُترا۔ اور سنتِ الٰہی بھی ہمیشہ یہی رہی ہے کہ وحی انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کی زبان میں اُترتی ہے، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ قرآنی بھی باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کی طرح اپنی قوم کے بالکل حسبِ حال تھا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾[1]

"ہم نے جو رسول بھی بھیجا، اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان کے لئے اچھی طرح (ہر بات) واضح کر دے۔"

چنانچہ قرآن کریم کے تمام الفاظ عربی کے ہیں، سوائے چند الفاظ کے، جن کے بارے میں ایک قوم کا خیال ہے کہ وہ بھی اصلاً خالص عربی کے الفاظ ہیں، لیکن دوسری زبانوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں، جبکہ بعض کا خیال ہے کہ وہ دیگر زبانوں کے الفاظ ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اگر وہ اصلاً عربی کے الفاظ نہ ہوں لیکن عرب بھی انہیں استعمال کرتے ہوں تو انہیں بہر حال عربی الفاظ ہی کہا جائے گا۔

قرآن کریم چونکہ اس دَور کے محاورۂ عربی میں ہے، لہٰذا اس میں بھی تمام عربی انداز واسالیب مثلاً حقیقت ومجاز، تصریح وکنایہ اور ایجاز واطناب سب موجود ہیں۔ البتہ قرآن پاک اپنی معجزانہ خصوصیات کی بناء پر دیگر تمام عربی کلاموں پر فائق ہے۔ اور کیوں نہ ہو، یہ تو ربّ العٰلمین کا کلام ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کو اجمالاً وتفصیلاً سمجھتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں قرآن کو محفوظ کرنے اور اس کے مطالب سمجھانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی تھی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝﴾[2]

---

[1] سورة إبراهيم: 14: 4

[2] سورة القيامة: 75: 17-19

"اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے جبریل کے ذریعے آپ پر پڑھ لیں تو اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔"

اور پھر نبی ﷺ کی ذمہ داری لگائی کہ قرآنِ کریم کے مشکل مقامات کو لوگوں کے سامنے واضح کریں۔

فرمانِ باری ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴾[1]

"یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اُتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شائد کہ وہ غور و فکر کریں۔"

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ بھی قرآنِ کریم کے ظاہری احکام و مسائل کو سمجھتے تھے، جہاں تک ان کے قرآنِ کریم کو تفصیلاً سمجھنے اور اس کے باطنی اسرار و حکم کو معلوم کرنے کا تعلّق ہے تو یہ صرف زبان دانی کے بل بوتے پر ممکن نہ تھا۔ اس ضمن میں عربی دانی کے ساتھ بحث و نظر اور مشکلاتِ قرآن کا حل معلوم کرنے کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کی جانب رجوع بھی ضروری تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن فہمی میں برابر نہ تھے۔ بعض صحابہ کیلئے جو چیز پیچیدہ تھی، دوسروں کیلئے نہایت آسان تھی۔ اس کی وجہ عقل میں فرقِ مراتب اور قرآنِ حکیم کے احوال و ظروف کا تعدّد و تنوع ہے۔ بلکہ مفردات جن معانی کے لئے موضوع ہوتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے فہم و ادراک میں بھی یکساں مرتبہ کے حامل نہ تھے۔ اور اس میں حرج بھی نہیں، کیونکہ کسی شخص نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ اُمت کا ہر فرد اپنی زبان کے تمام مفردات سے واقف ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ﴾ پھر پوچھنے لگے کہ 'تخوف' کا معنیٰ کیا ہے؟ قبیلہ ہذیل کے ایک شخص نے کہا کہ ہماری زبان میں اس کے معنیٰ "تنقّص" (آہستہ آہستہ کمی کرنے) کے ہیں۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھا:ع

تخوَّف الرحل منها تامكًا قَرِدًا كما تخوَّف عودَ النبعة السفِنُ

تو اس موقعہ پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا مشہور مقولہ کہا:

"أيها النّاسُ! تمسّكوا بديوان شعركم في جاهليّتكم، فإنّ فيه تفسير كتابكم."[2]

"اے لوگو! اپنے جاہلی شعری دیوان کو لازم پکڑو، کیونکہ اس میں تمہیں کتاب اللہ کی تفسیر ملے گی۔"

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"میں ﴿ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ کے معنیٰ سے واقف نہ تھا کہ دو دیہاتی میرے پاس آئے، وہ ایک کنویں کے

---

[1] سورة النّحل: 16: 44

[2] الشاطبي، إبراهيم بن موسى، الموافقات للشاطبي: 2/ 88، دار ابن عفان، الطبعة الأولى، 1997م

بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "أَنَا فَطَرْتُهَا"، یعنی میں نے اس کی ابتداء کی تھی۔"[1]

ظاہر ہے کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہے کہ وہ بعض مفرداتِ قرآن کے معانی دوسروں سے معلوم کرتے ہیں تو دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا عالم ہو گا؟ اس میں شک نہیں کہ اکثر صحابہ قرآن کے اجمالی معانی پر اکتفاء کرتے تھے۔ مثلاً آیتِ قرآنی ﴿وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۝﴾[2] میں ان کے نزدیک یہ جان لینا کافی تھا کہ اس میں انعاماتِ ربانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس آیت کے ہر لفظ کا مفہوم الگ الگ سمجھا جائے۔[3]

صحیح بات یہ ہے کہ حضرات صحابہ فہمِ قرآن اور اس کے معانی و مطالب کے اظہار و بیان میں مساوی الدّرجہ نہ تھے۔ اس کے وجوہ و اسباب یہ تھے کہ جمیع صحابہ ذہانت و فطانت اور زبان دانی میں یکساں نہ تھے۔ بعض صحابہ اس حد تک ماہر اللسان تھے کہ غریب الفاظ تک ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھے۔ بعض اس سے کم مرتبہ تھے۔ بعض صحابہ صحبتِ نبوی سے مقابلۃً زیادہ مستفید ہوتے اور اس کے نتیجہ میں آیات کے اسبابِ نزول سے دوسروں کی نسبت زیادہ واقف ہوتے۔ مزید برآں خداداد استعداد اور ذہنی صلاحیتوں میں بھی سب صحابہ برابر نہ تھے۔

مشہور تابعی سیدنا مسروق بن اَجدع رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 63ھ) فرماتے ہیں:

"جالست أصحاب محمد ﷺ فوجدتّهم كالإخاذ فالإخاذ يروي الرّجل، والإخاذ يروي الرّجلين، والإخاذ يروي العشرة، والإخاذ يروي المائة، والإخاذ لو نزل به أهل الأرض لأصدرهم."[4]

"مجھے اصحابِ رسول ﷺ کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہے۔ صحابہ کرام ایک تالاب کی مانند تھے۔ تالاب سے ایک آدمی بھی سیر ہو سکتا ہے، دو بھی، دس بھی اور سو بھی۔ بعض تالاب ایسے ہوتے ہیں کہ اگر روئے زمین کے تمام لوگ پانی پینے آئیں تو سیر ہو کر جائیں۔"

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 276ھ) فرماتے ہیں:

"إن العرب لا تستوي في المعرفة بجميع ما في القرآن من الغريب والمتشابه، بل إن بعضها يفضل

---

1 البُرهان في عُلوم القُرآن: 1 / 293

2 سورة عبس: 80 : 31

3 السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، الإتقان في علوم القرآن: 2/ 113، الهيئة المصرية العامة لكتاب، مصر، الطبعة الأولى، 1974م

4 ابن سعد، أبو عبد الله محمد بن سعد، الطبقات الكبرى:2/ 261، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1990م

في ذلك على بعض."[1]

"قرآن کے غریب و متشابہ کے علم و معرفت میں سب عرب برابر نہیں ہوسکتے بلکہ اس ضمن میں ان کے درجات مختلف ہیں۔"

مصادرِ تفسیر عہدِ نبوی وصحابہ میں

عہدِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں تفسیر کے مصادر چار تھے:

1۔ قرآنِ کریم 2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 3۔ اجتہاد 4۔ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ)[2]

1. قرآن کریم

یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ قرآن کریم میں احکامات کو پھیر پھیر کر، مختلف انداز سے بار بار دُہرایا جاتا ہے، تاکہ مدّعا اچھی طرح واضح ہو جائے۔ توحید و رسالت، حجیتِ قرآن، ایمان بالیوم الآخر جیسے عقیدے کے مسائل، معاملات اور قصص وغیرہ کو کبھی کسی طریقے سے اور کبھی کسی طریقے سے واضح کیا جاتا ہے۔ ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ تفصیل ہے۔ جو چیز ایک اعتبار سے مطلق ہے تو دوسری جگہ دوسرے پہلو سے مقید ہے۔ ایک حکم ایک آیت میں عام ہے تو دوسری آیت میں خاص۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ﴾[3]

"اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ﴾[4]

"اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن کریم میں (ہر چیز کو) پھیر پھیر کر بیان کیا تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔"

لہٰذا جو شخص قرآن کی تفسیر کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک موضوع میں وارد ہونے والی تمام مکرّر آیات کو جمع کر کے ان کا تقابل کرے۔ اس طرح مفصّل آیات سے مجمل آیات کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور مبین آیات کا فہم وادراک مبہم کا مفہوم متعین کرنے میں معاون ثابت ہو گا۔ اس کے لئے لازم ہے کہ مطلق کو

---

[1] القطان، مناع بن خليل، مباحث في علوم القرآن: ص8، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الطبعة الثالثة، 1421هـ

[2] أيضاً: ص35-36

[3] سورة الزّمر: 39: 23

[4] سورة الإسراء: 17: 41

مقید پر اور عام کو خاص پر محمول کرے۔ یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے اور اس سے تجاوز کرنا کسی شخص کے لئے بھی موزوں نہیں کہ صاحبِ کلام سے بڑھ کر اور کوئی اس کے اسرار ورموز سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیتِ کریمہ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ ﴾[1] نازل ہوئی تو لوگوں پر بہت گراں گزری، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم سے کون سا شخص ایسا ہے جس سے ظلم نہ ہو جاتا ہو؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّهُ لَيْسَ الَّذِي تَعْنُونَ، أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ العَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾ إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ. »[2]

"اس سے وہ ظلم مراد نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، کیا تم نے نیک بندے (سیدنا لقمان علیہ السلام) کی بات نہیں سنی کہ 'یقیناً شرک ظلمِ عظیم ہے۔' اس آیت میں بھی ظلم سے مراد شرک ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ سے واضح ہو گیا ہے کہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر قرآن کے وقت یہ بات ملحوظ رکھتے تھے کہ پہلے تفسیر القرآن بالقرآن کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس سے پہلا اصولِ تفسیر اَخذ ہوتا ہے۔

2. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دوسرا ماخذ جس کی طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفسیر قرآن کے سلسلے میں رجوع کیا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ جس کسی آیت کا معنیٰ ومفہوم ان کی سمجھ سے باہر ہوتا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب دریافت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر روشنی ڈالتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ پر قرآنِ کریم نازل فرمایا، وہاں اس کا بیان بھی آپ کو سکھلایا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ ﴾[3]

"اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے جبریل کے ذریعے آپ پر پڑھ لیں تو اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔"

قرآن کریم کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی ہی کتابِ الٰہی کی تشریح وتبیین تھا۔

فرمانِ باری ہے:

﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي فِيْهِ ﴾[4]

---

[1] سورة الأنعام: 6 : 82

[2] أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد، إمام، مسند الإمام أحمد بن حنبل: 6/ 68، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، 2001م

[3] سورة القيامة: 75 : 17_19

[4] سورة النّحل:16: 64

"اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لئے اتارا ہے کہ آپ ان کے لئے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔"

لہٰذا اگر کسی آیت کی وضاحت قرآنِ کریم سے نہ ہو رہی ہوتی تو رسولِ اکرم ﷺ خود اپنے فرامین سے اس کی تفسیر کر دیتے تھے، جیسا کہ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بر سرِ منبر نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾: «أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ».[1]

"ان (کافروں) کے خلاف حسبِ استطاعت قوت تیار رکھو، خبردار! (اس آیت میں) قوت سے مراد تیر اندازی ہے، خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے، خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔"

3۔ اجتہاد و استنباط

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خالص عرب تھے، انتہائی فصیح و بلیغ کلام کرتے تھے، قرآنِ کریم ان کے محاورہ کے مطابق نازل ہوا تھا۔ اگر انہیں کسی آیت کی تفسیر نہ قرآن میں ملتی اور نہ ہی رسول اکرم ﷺ نے اس بارے میں کچھ وضاحت فرمائی ہوتی تو پھر وہ اس سلسلے میں اپنی رائے و اجتہاد سے کام لیتے۔ یہ ایسی آیات کے ضمن میں ہوتا، جہاں نظر و فکر کی ضرورت پڑتی ہے۔

"سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں یمن کی طرف بھیجا تو پوچھا: « كَيْفَ تَقْضِي؟ » کہ کیسے فیصلے کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے مطابق! پوچھا: « فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ » کہ اگر وہ کتاب اللہ میں نہ ہو؟ تو عرض کیا کہ سنت رسول ﷺ کے مطابق! پوچھا: « فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ » کہ اگر حدیث میں بھی نہ ہو؟ تو عرض کیا کہ اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کروں گا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: « الْحَمْدُ لله الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ ﷺ » کہ اس ذات کی تعریف جس نے اللہ کے رسول کے سفیر کو حق بات کی توفیق عطا فرمائی۔"[2]

جن آیات کا فہم و ادراک عربی لغت پر موقوف ہوتا تھا وہاں اجتہاد سے کام لینے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ صحابہ خالص عرب ہونے کی بنا پر عربوں کے اسالیبِ کلام سے بخوبی آشنا تھے۔ جاہلیت کی شاعری میں بصیرت

---

[1] النيسابوري، مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الرّمي والحثّ عليه وذم من علمه ثم نسيه: 1917، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1998م

[2] الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى، جامع الترمذي، كتاب الأحكام عن رسول الله، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي؟: 1917، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

ومہارت رکھنے کے باعث وہ عربی الفاظ اور ان کے معانی سے پوری طرح آگاہ تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ جاہلی شاعری عربوں کا دیوان ہے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فہم قرآن کی ہر مشکل میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم سے یا خود وحی خفی (حدیثِ مبارکہ) کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمادیتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان دو مصادر سے تفسیر نہ ملنے کی صورت میں ذاتی فہم واجتہاد سے کام لیتے تھے۔ صحابہ بکثرت اپنے اجتہاد کے بل بوتے پر تفسیر قرآن کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں وہ درج ذیل وسائل پر اعتماد کرتے تھے:

① عربی زبان کے اسرار واَوضاع کی پہچان۔
② عربوں کے اخلاق وعادات سے آشنائی۔
③ نزولِ قرآن کے وقت جزیرۂ عرب میں یہود ونصاریٰ کے حالات سے آگاہی۔
④ قوتِ فہم ووسعتِ ادراک۔[2]

عربی زبان کے اسرار واوضاع کی معرفت ایسی آیات کے سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے جن کا فہم وادراک عربی زبان کی پہچان پر موقوف ہے۔ اسی طرح جو آیات عربوں کے اخلاق وعادات سے متعلق ہیں ان کا مفہوم سمجھنے کے لئے عربوں کے عادات واطوار سے واقفیت ناگزیر ہے مثلاً آیتِ کریمہ:

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾[3]

"پھر تم اس جگہ سے لوٹو (یعنی عرفات سے) جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔"

کا مفہوم اسی صورت میں سمجھا جاسکتا ہے جب نزول قرآن کے وقت عربوں کی عادات سے واقفیت حاصل کی جائے۔ اسی طرح نزولِ قرآن کے وقت جزیرۂ عرب میں جو یہود ونصاریٰ موجود تھے ان کے احوال وکوائف سے آشنا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے ان آیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جن میں اہلِ کتاب کے اقوال واعمال پر تنقید کی گئی ہے مثلاً آیتِ کریمہ:

﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ

---

[1] الذهبي، محمد السيد حسين، الدكتور، التّفسير والمفسّرون: 1/ 59، دار الكتب الحديثية، الطبعة الثانية، 1976م

[2] التفسير والمفسرون: 1/ 59

[3] سورة البقرة: 2: 199

وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ﴾[1]

"لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلا وطن کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف ایک دوسرے کی طرف داری کی، ہاں جب وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیے، لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا۔) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟"

وحی الٰہی کی صحیح وضاحت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کتاب اللہ کے نازل ہوتے وقت ان کے اس وقت کے حالات سامنے ہوں۔نزول قرآن کے اسباب اور واقعات متعلقہ سے آگاہی بھی اکثر قرآنی آیات کے فہم و معرفت میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 702ھ) فرماتے ہیں:

"بيان سبب النّزول طريق قوي في فهم معاني القرآن."[2]

"سببِ نزول کا ذکر و بیان قرآن کے معانی کے سمجھنے میں بڑی حد تک مدد گار ثابت ہوتا ہے۔"

جہاں تک قوتِ فہم، وسعت ادراک و عقل فراست کا معاملہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے، جسے وہ چاہے اس سے نواز دے۔ بہت سی آیاتِ قرآنیہ ایسی ہیں جن کا معنیٰ و مفہوم نہایت دقیق و پوشیدہ ہے۔اور صرف وہی شخص ان کے مطالب سے بہرہ یاب ہوتا ہے جو نورِ بصیرت رکھتا ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً کبار صحابہ اس سعادت سے فیض یاب ہوئے تھے۔

"سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آیا قرآن کے سوا بھی آپ کے پاس وحی کا کچھ حصہ موجود ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

«لاَ وَالَّذِي فَلَقَ الحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، مَا أَعْلَمُهُ إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ الله رَجُلًا فِي القُرْآنِ، وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قُلْتُ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قَالَ العَقْلُ وَفَكَاكُ الأَسِيرِ ، وَأَنْ لاَ يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ »[3]

"نہیں، اس ذات کی قسم جو دانہ اُگاتی ہے اور روح کو زندگی عطا کرتی ہے، ہمارے پاس اور تو کوئی شے موجود نہیں بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو قرآن کا فہم عطا کر دے، اور یا جو کچھ اس صحیفہ میں مرقوم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس رسالہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت کے احکام، قیدیوں کو آزاد کرنا اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔"

1 سورة البقرة:2: 85

2 الإتقان في علوم القرآن: 1/ 108

3 البخاري، أبو عبد الله، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب فكاك الأسير: 3047، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية، 1999م

4. اہل کتاب (یہود و نصاریٰ)

عہدِ صحابہ میں تفسیر قرآن کا چوتھا مصدر نو مسلم اہل کتاب اور یہود و نصاریٰ تھے کہ قرآن کریم بعض تاریخی مسائل میں عموماً اور انبیائے کرام علیہم السلام اور دیگر اقوامِ سابقہ کے قصص میں خصوصاً تورات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کے بعض بیانات انجیل سے بھی ملتے ہیں مثلاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے معجزات وغیرہ۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ ﴾[1]

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم (اہل کتاب) سے دریافت کرلو، دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ۔"

البتہ قرآن کریم نے جو طرز و منہاج اختیار کیا ہے، وہ تورات و انجیل کے اسلوبِ بیان سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ قرآنِ کریم کسی واقعہ کی جزئیات و تفصیلات بیان نہیں کرتا بلکہ واقعہ کے صرف اسی جزو پر اکتفاء کرتا ہے جو نصیحت و موعظت کے نقطۂ نگاہ سے ضروری ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ تفصیلی واقعہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ بعض صحابہ ان تاریخی واقعات کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے نو مسلم اہل کتاب مثلاً سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے یہود و نصاریٰ کی جانب رجوع کرتے تھے اور پھر ان اسرائیلیات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت « حَدِّثُوا عَن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ »[2] کے مطابق بغیر تصدیق و تکذیب کے آگے بیان کر دیتے۔ مگر اہل کتاب کی جانب رجوع ایسے تاریخی واقعات کے بارے میں کیا جاتا تھا جس کے سلسلہ میں صحابہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا ہوتا تھا۔ اس لئے کہ جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہوتی تھی، اس کے ضمن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ تفسیر قرآن کا یہ مصدر سابقہ مصادر کے مقابلہ میں بہت کم اہمیت کا حامل ہے اس لئے کہ تورات و انجیل میں تحریف ہو چکی ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام اہل کتاب سے، بعض تاریخی معاملات میں، وہی بات اخذ کرتے تھے جو ان کی شریعت سے ہم آہنگ ہو اور خلافِ قرآن باتوں کو صاف مسترد کر دیا کرتے تھے۔ بعض باتیں جو نہ شریعت کے موافق ہوتیں نہ مخالف، ان کے بارے میں حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم « مَا حَدَّثَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا ءَامَنَّا بِالله وَرُسُلِه »[3] کے مطابق سکوت اختیار کیا جاتا، نہ تصدیق کی جاتی

---

[1] سورة البقرة:2: 85

[2] صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل: 3461

[3] السجستاني، أبو داؤد سليمان بن الأشعث، سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب رواية حديث أهل الكتاب: 3644، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

اور نہ انہیں جھٹلایا جاتا۔[1]

بعض حضرات نے عہدِ صحابہ میں تین اُصول تفسیر بیان کئے ہیں، انہوں نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی کتب وغیرہ سے استفادہ کو اجتہاد میں ہی شامل کر دیا ہے۔

مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تفسیر قرآن کے حوالے سے مشہور لوگ حسب ذیل ہیں: سیدنا ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، ابن عباس، اُبی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔

بعض صحابہ کرام وہ ہیں جن سے تفسیری روایات مروی ہیں لیکن ان کی شہرت اس بارے میں ان دس صحابہ کرام جیسی نہیں مثلاً سیدنا انس بن مالک، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔ یہ دس مشہور مفسّر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفسیری روایات کی قلت و کثرت کے اعتبار سے برابر نہ تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے بہت کم تفسیری اقوال منقول ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں:

① وہ زیادہ عرصہ بقید حیات نہ رہے۔

② ان کی حکومتی مصروفیات۔

③ اس دَور میں ایسے صحابہ کی کمی نہ تھی جو قرآن ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ کتاب اللہ کے اسرار و غوامض اور احکام و معانی کے رازدان تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ خالص عرب ہونے کی بناء پر عربی زبان سے پوری طرح آگاہ تھے۔

خلفائے راشدین میں سے سب سے زیادہ تفسیری اقوال سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عرصہ دراز تک تا خلافتِ عثمانی اُمورِ سلطنت سے الگ تھلگ رہے۔ پھر اس زمانہ تک بقیدِ حیات رہے، جب اسلام مختلف اکناف ارضی میں پھیلا۔ عجمی اقوام دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور اس طرح تفسیر قرآن کی ضرورت پہلے سے بہت بڑھ گئی۔

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے بھی بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں۔ اس لئے کہ اس دَور میں لوگ تفسیر قرآن کے محتاج تھے۔ علاوہ ازیں سیدنا علی اور یہ تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل تھے:

① عربی زبان میں مہارت اور اس کے اسالیبِ بیان سے گہری مناسبت۔

[1] التّفسير والمفسّرون: 1/ 63

② قوتِ اجتہاد واستنباط۔

③ رفاقتِ نبوی کی بناء پر اسبابِ نزول سے مکمل آگاہی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے زیادہ مستفید نہ ہو سکے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال کے لگ بھگ تھی۔ البتہ کبار صحابہ کی صحبت میں رہنے سے انہوں نے بڑی حد تک اس کی تلافی کرلی تھی۔ اپنے بارے میں بیان کرتے ہوئے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وجدت عامّة حديث رسول الله ﷺ عند الأنصار، فإن كنت لآتي الرجل فأجده نائمًا، لو شئتُ أن يُوقَظ لي لأُوقظ، فأجلس على بابه تسفي على وجهي الريح حتى يستيقظ متى ما استيقظ، وأسأله عما أريد، ثم أنصرف."[1]

"مجھے اکثر احادیثِ نبویہ انصار سے ملیں۔ میری حالت یہ تھی کہ میں استفادہ کے لئے کسی شخص کے یہاں جاتا اور اسے محوِ خواب پاتا۔ اگر میں چاہتا تو اسے بیدار کر دیتا مگر میں یوں نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ میں اس کے دروازہ پر بیٹھا رہتا۔ میرا چہرہ گرد وغبار سے اٹ جاتا۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی جاگتا اور مجھے جو کچھ اس سے دریافت کرنا ہوتا تھا، پوچھتا اور واپس لوٹ آتا۔"

کثرتِ روایات کے اعتبار سے ان چاروں مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب یوں ہے: ابن عباس، ابن مسعود، علی اور اُبی رضی اللہ عنہم

عہدِ صحابہ کی تفسیری خصوصیات

اس دَور کے تفسیری خدوخال حسبِ ذیل ہیں:

① مکمل قرآن کی تفسیر نہیں کی گئی، بلکہ جس قدر دقت وغموض پایا جاتا تھا اس پر ہی غور کیا جاتا تھا۔

② تفسیر میں صحابہ کرام کے یہاں بہت کم اختلاف تھا۔

③ صحابہ کرام قرآن کریم کے اجمالی معانی پر اکتفاء کرتے تھے اور تفصیلات کی طلب وتلاش کو ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔

④ مختصر ترین الفاظ میں لغوی معنیٰ کی تشریح کرنے کو کافی سمجھتے تھے۔

⑤ قرآنی آیات سے فقہی احکام کا استنباط شاذ ونادر کرتے تھے، اس لئے کہ ان میں ابھی تک مذہبی وحزبی اختلافات کا ظہور نہیں ہوا تھا کہ اپنے موقف کی تائید وحمایت کیلئے آیات سے استدلال کریں۔

⑥ اس دَور میں تفسیر کی تدوین نہیں ہوئی، البتہ بعض صحابہ نے آسانی کیلئے اپنے مصاحف میں تفسیری الفاظ تحریر

[1] ابن سعد، أبو عبد الله محمد بن سعد، الطّبقات الكبرى: 2/ 368، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1990م

کر لیے تھے۔

⑤ تفسیر کی کوئی جداگانہ منظم صورت نہ تھی، بلکہ تفسیری اقوال احادیث کے ساتھ ملے جلے اور حدیث ہی کے فروع واجزاء خیال کیے جاتے تھے۔

عہدِ تابعین عظام رحمہم اللہ

تفسیر قرآن کا پہلا مرحلہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے شروع ہوا تھا جس نے علم تفسیر کی بنیادیں قائم کی تھیں۔ عہدِ صحابہ گزرنے کے بعد یہ مرحلہ مکمل ہوا اور عہدِ تابعین سے تفسیر قرآن کا نیا دَور شروع ہوا۔ تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چشمۂ فیض سے اپنی پیاس بجھائی تھی۔ خیر القرون میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے نیز ان کو عربی زبان کی معرفت اپنے بعد والوں سے کہیں زیادہ حاصل تھی۔ جس طرح صحابہ میں ایسے شہرۂ آفاق مفسرین موجود تھے جن کی جانب تفسیر قرآن کے سلسلہ میں رجوع کیا جاتا تھا، اسی طرح تابعین میں بھی ایسے فضلاء کی کمی نہ تھی جنہوں نے اپنے معاصرین کو قرآنِ کریم کے پیچیدہ اور حل طلب مقامات کے مطالب و معانی سے روشناس کرایا۔

تابعین کے مصادرِ تفسیر

اس دَور میں ماخذ تفسیر حسبِ ذیل تھے:

1۔ قرآن کریم　　2۔ احادیث نبویہ　　3۔ اقوالِ صحابہ

4۔ اہل کتاب اور ان کی کتب مقدسہ　　5۔ اجتہاد واستنباط[1]

کتبِ تفسیر میں تابعین کے اقوال بکثرت مروی ہیں جو ان کے اجتہاد اور غور و فکر پر مبنی ہیں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ سے جو تفسیر منقول ہے وہ جملہ آیاتِ قرآن کو شامل نہیں بلکہ انہی آیات پر مشتمل ہے جن کے معنیٰ و مفہوم میں غموض و خفاء پایا جاتا ہے۔ عہدِ رسالت و صحابہ سے جوں جوں دوری ہوتی چلی گئی یہ غموض بڑھتا چلا گیا۔ جو تابعین تفسیر قرآن سے دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے ذاتی محنت و کوشش سے اس کمی کو دور کرنا چاہا، چنانچہ آہستہ آہستہ انہوں نے تفسیرِ قرآن کو مکمل کر دیا۔ تفسیر نویسی کے سلسلہ میں تابعین نے لغتِ عرب، عربوں کے اسالیبِ کلام اور ان واقعات سے بھی مدد لی جو نزولِ قرآن کے وقت درپیش تھے۔[2]

جوں جوں اسلامی فتوحات بڑھتی گئیں مسلمان مدینہ نبویہ سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ جہاں اسلام کی روشنی پھیلی وہاں مسلمانوں نے بھی سکونت اختیار کر لی۔ مسلمانوں میں ولاۃ، قضاۃ، امراء اور معلّم سبھی

---

[1] التفسير والمفسّرون: 1/ 99- 100

[2] مقدمة في أصول التّفسير: ص61

قسم کے لوگ تھے۔ یہ لوگ جہاں بھی گئے وہاں رسولِ کریم ﷺ سے حاصل کردہ علم وفضل بھی ہمراہ لیتے گئے۔ تابعین نے ان کی صحبت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ان سے علم حاصل کر کے دوسروں کو مستفید کرنے لگے۔ چنانچہ ان علاقوں میں علمی مدارس قائم ہوگئے جن کے اساتذہ صحابہ کرام اور تلامذہ تابعین تھے۔

ان میں بعض مدارس نے خصوصی شہرت حاصل کی اور تابعین کی کثیر تعداد نے وہاں مشہور مفسر صحابہ کرام سے کسبِ فیض کیا۔ جن میں سے پہلا مکہ مکرمہ، دوسرا مدینہ نبویہ اور تیسرا عراق میں تھا۔ یہ تینوں مدارس اس دور کے مشہور تفسیری مرکز شمار ہوتے تھے۔

مفسرین اہل مکہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں مجاہد بن جبر (متوفیٰ 104ھ)، عطاء بن ابی رباح (متوفیٰ 114ھ)، عکرمہ مولیٰ ابن عباس (متوفیٰ 105ھ)، سعید بن جبیر (متوفیٰ 95ھ) اور طاؤس بن کیسان (متوفیٰ 106ھ) رحمہم اللہ شامل ہیں۔

مفسرین اہل مدینہ میں ابی بن کعب، زید بن اسلم (متوفیٰ 136ھ)، ابو العالیہ رفیع بن مہران (متوفیٰ 93ھ) اور محمد بن کعب قرظی (متوفیٰ 118ھ) رحمہم اللہ معروف ہیں۔

مفسرین اہل عراق میں علقمہ بن قیس (متوفیٰ 62ھ)، مسروق بن اجدع (متوفیٰ 63ھ)، قتادہ بن دعامہ سدوسی (متوفیٰ 118ھ)، حسن بصری (متوفیٰ 110ھ)، اسود بن یزید (متوفیٰ 75ھ)، عامر شعبی (متوفیٰ 100ھ)، مرہ ہمدانی (متوفیٰ 76ھ) اور عطاء خراسانی (متوفیٰ 135ھ) رحمہم اللہ ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما التّفسير فأعلم الناس به أهل مكة، لأنهم أصحاب ابن عباس كمجاهد وعطاء بن أبي رباح وعكرمة مولى ابن عباس وغيرهم من أصحاب ابن عباس كطاؤوس وأبي الشعثاء وسعيد بن جبير وأمثالهم. وكذلك أهل الكوفة من أصحاب ابن مسعود، ومن ذلك ما تميزوا به عن غيرهم. وعلماء أهل المدينة في التفسير، مثل زيد بن أسلم الذي أخذ عنه مالك التفسير، وأخذ عنه أيضا ابنه عبد الرحمن، وعبد الله بن وهب."[1]

"تفسیر کے سب سے بڑے عالم اہل مکہ تھے اس لئے کہ یہ لوگ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے عظیم مفسر کے ساختہ پرداختہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں یہ حضرات بہت مشہور ہیں: مجاہد، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاؤس، ابو الشعثاء اور سعید بن جبیر وغیرہ۔ اہل کوفہ میں سے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب وتلامذہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ ان میں سے بعض بہت ہی نمایاں تھے۔ اہل مدینہ میں بھی مفسرین کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں زید بن اسلم جن سے امام مالک رحمہ اللہ (متوفیٰ 179ھ) نے تفسیر کا درس لیا، خاصی شہرت کے

[1] مقدّمة في أصول التّفسير: ص15

حامل ہیں۔ زید بن اسلم سے ان کے بیٹے عبد الرحمٰن اور عبد اللہ بن وہب نے بھی استفادہ کیا۔"

عہدِ تابعین کی تفسیری خصوصیات

اس دَور کی تفسیر درج ذیل خصوصیات کی حامل تھی:

① اسرائیلیات کی آمیزش۔

② نقل وروایت کی چھاپ، مگر یہ عصرِ صحابہ کی طرح عمومی نہ تھی بلکہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے علاقہ کے مفسرین سے تفسیری اقوال نقل کرتے تھے۔

③ مذہبی اختلافات پیدا ہوئے۔ مثلاً قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ میں قدریت کے اثرات تھے، جس کی جھلک ان کی تفسیر میں بھی تھی، جبکہ اس کے برخلاف سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں اثباتِ تقدیر کا رنگ نمایاں تھا۔

④ عہدِ صحابہ میں تفسیری اختلاف نہ ہونے کے برابر تھا۔ عصر تابعین میں اختلاف کی خلیج وسیع ہوگئی۔ تاہم تابعین کا تفسیری اختلاف متاخرین کی نسبت بہت کم تھا۔

علم تفسیر کی تدوین

شروع کے اَدوار میں تفسیری اقوال کو بطریقِ روایت نقل کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ اقوال نقل کرتے تھے اور باہم ایک دوسرے سے بھی۔ اسی طرح تابعین عظام صحابہ کرام سے بھی کسبِ فیض کرتے تھے اور آپس میں بھی۔ یہ تفسیر کا پہلا مرحلہ تھا۔ عصر صحابہ وتابعین کے بعد تفسیر کے دوسرے مرحلہ کا آغاز تب ہوا، جب تدوین حدیث کی داغ بیل پڑی۔ حدیثِ نبوی مختلف ابواب میں منقسم تھی اور ان میں ایک باب، تفسیر پر بھی مشتمل تھا۔ اس دَور میں ایسی کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی تھی جس میں ہر ہر سورت اور آیت کی الگ الگ تفسیر کی گئی ہو۔ ایسے علماء موجود تھے جو مختلف شہروں میں گھوم پھر کر احادیثِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ تفسیری اقوال بھی جمع کرتے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ وتابعین کی طرف منسوب تھے۔ ان حضرات میں درج ذیل اکابر قابل ذکر ہیں:

یزید بن ہارون سلمی (متوفیٰ 117ھ)، شعبہ بن حجاج (متوفیٰ 118ھ)، وکیع بن جراح (متوفیٰ 197ھ)، سفیان بن عیینہ (متوفیٰ 198ھ)، روح بن عبادہ بصری (متوفیٰ 205ھ)، عبد الرزّاق بن ہمام (متوفیٰ 211ھ)، آدم بن ابی ایاس (متوفیٰ 220ھ) اور عبد بن حمید (متوفیٰ 249ھ) رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔

یہ تمام علماء محدثین میں سے تھے اور تفسیری اقوال کو الگ طور پر نہیں بلکہ احادیث کی حیثیت سے جمع کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیش رَو ائمہ تفسیر سے جو کچھ بھی نقل کیا تھا اسکو انکی جانب منسوب کر دیا تھا۔ لیکن گردشِ زمانہ سے یہ مجموعے ہم تک نہ پہنچ سکے۔

تیسرے مرحلہ پر پہنچ کر تفسیر قرآن نے حدیثِ نبوی سے الگ ہو کر ایک جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کرلی۔

اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر ہر آیت کی تفسیر مرتّب کی جانے لگی۔ اس میں حسبِ ذیل علماء نے حصہ لیا: امام ابن ماجہ (متوفیٰ 273ھ)، بقی بن مخلد قرطبی (متوفیٰ 276ھ)، ابن جریر طبری (متوفیٰ 310ھ)، ابو بکر بن منذر نیشاپوری (متوفیٰ 318ھ)، ابن ابی حاتم (متوفیٰ 327ھ)، ابو الشیخ ابن حبان (متوفیٰ 369ھ)، امام حاکم (متوفیٰ 405ھ) اور ابو بکر بن مردویہ (متوفیٰ 410ھ) رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔

یہ تمام تفاسیر نبی ﷺ اور صحابہ، تابعین واتباع تابعین سے بالاسناد منقول ہیں۔ ان میں تفسیر بالماثور کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ اس دَور کی جس تفسیر کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوا وہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "جامع البیان" ہے، جو تفسیر بالماثور کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تفسیری اقوال ذکر کرکے ان کی توجیہ کی اور بعض کو راجح اور دوسروں کو مرجوح قرار دیا ہے۔ جہاں ضرورت پڑی وہاں بعض کلمات کی اعرابی حالت بھی بتائی ہے، جن آیات مبارکہ سے احکام کا استنباط ممکن تھا ان سے شرعی احکام اخذ کیے ہیں۔

اس دَور میں ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 223ھ) نے لغوی اور عقلی زاویہ نظر سے، علی بن حسن بن فضال رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 224ھ) نے شیعی نقطۂ نظر سے، ابو سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 283ھ) نے متصوفانہ اسلوب سے، ابو علی جبائی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 303ھ) نے معتزلی نقطۂ نظر سے، ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 324ھ) نے اشعری، ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 333ھ) نے ماتریدی زاویۂ نگاہ سے تفسیریں لکھیں۔

پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 406ھ) نے کلامی انداز میں "معانی القرآن"، ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 412ھ) نے صوفیانہ اسلوب سے "حقائق التفسیر"، ابو اسحاق احمد بن محمد ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 427ھ) نے لغوی و فقہی طریقے سے "الکشف والبیان فی تفسیر القرآن" اور ابو جعفر طوسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 460ھ) نے شیعی نقطۂ نظر کے موافق "البیان فی تفسیر القرآن" کے نام سے کتبِ تفسیر لکھیں۔ ان میں مؤخّر الذکر کتاب خاصی ضخیم ہے اور بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس مرحلے میں تفسیر کے حدیث نبوی سے جدا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے قبل تفسیر کے سلسلہ میں جو مساعی سرانجام دی گئی تھیں، وہ سب رائیگاں ہو گئیں بلکہ تفسیر کا تدریجی سلسلہ جاری رہا۔ ابتدائی مرحلہ میں تفسیری اقوال بطریق اخذ وروایت نقل کیے جاتے تھے۔ دوسرے مرحلہ میں تفسیر کی تدوین ابوابِ حدیث کے ایک باب کے اعتبار سے کی جانے لگی اور تیسرے مرحلے میں ایک مستقل علم کی حیثیت سے جداگانہ طور پر تفسیر کی تدوین کا آغاز ہوا۔ مگر ایسے محدثین بھی تھے جو اس مرحلہ میں بھی تفسیری اقوال کو حدیث کے ایک باب ہی کے ضمن میں جمع کرتے رہے، اس میں ان کا دار و مدار فقط نبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین سے منقول احادیث وآثار پر تھا۔

اوّلین تفسیر؟

یہ آسان سوال نہیں کہ اوّل مفسر کون تھا کہ جس نے مکمل قرآنِ کریم کی تفسیر قرآنی ترتیب کے مطابق مدوّن کی۔ابن الندیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی385ھ) کے مطابق فراء نحوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی207ھ) نے ابو العباس ثعلب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی291ھ) کی ایماء پر "کتاب المعانی" کے نام سے قرآن کی تفسیر مرتب کی۔[1] لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فراء کے قبل مفسرین نے صرف حل مشکلات پر اکتفاء کیا تھا اور تفصیلاً قرآن کریم کی تفسیر نہیں لکھی تھی اور نہ ہی ابن الندیم کی عبارت سے حتمی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ویسے بھی معانی القرآن ترتیب وتہذیب کے اعتبار سے ابوعبیدہ (متوفی208ھ) کی مجاز القرآن سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہے۔

علمائے سلف کے اقوال سے محسوس ہوتا ہے کہ جملہ آیات وسور کی بالاستیعاب تفسیر کا کام تیسری صدی کے اوائل میں نہیں بلکہ بہت پہلے شروع ہوا۔سیدنا ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی117ھ) فرماتے ہیں:

"رأيت مجاهدا يسأل ابن عبّاس عن تفسير القرآن ومعه ألواحه، فيقول له ابن عباس: اكتب. قال: حتّى سأله عن التّفسير كلّه."[2]

"میں نے دیکھا کہ مجاہد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر قرآن کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور ان کے پاس تختیاں تھی۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمارہے تھے کہ لکھتے جاؤ حتیٰ کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پورے قرآن کی تفسیر معلوم کرلی۔"

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی852ھ) عطاء بن دینار رحمۃ اللہ علیہ (متوفی126ھ) کے حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قال علي بن الحسن الهسنجاني عن أحمد بن صالح: عطاء بن دنيار، من ثقات المصريين، وتفسيره فيما يروي عن سعيد بن جبير صحيفة، وليس له دلالة على أنه سمع من سعيد بن جبير، وقال أبو حاتم: صالح الحديث إلا أن التفسير أخذه من الديوان، وكان عبد الملك بن مروان سأل سعيد بن جبير أن يكتب إليه بتفسير القرآن، فكتب سعيد بهذا التفسير، فوجده عطاء بن دينار في الديوان فأخذه فأرسله عن سعيد بن جبير."[3]

"علی بن حسن، احمد بن صالح سے نقل کرتے ہیں کہ عطاء بن دینار صلحائے مصر میں سے ہیں۔تفسیر کے سلسلہ

---

[1] ابن النديم، أبو الفرج محمد بن إسحاق، الفهرست: ص99، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية، 1997م

[2] الطبري، محمد بن جرير، جامع البيان في تأويل القرآن:1/ 90، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، 2000م

[3] العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، تهذيب التهذيب: 7/ 179، مبطعة دائرة المعارف النظامية، الهند، الطبعة الأولى، 1326هـ

میں عطاء جو اقوال نقل کرتے ہیں وہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ انہوں نے براہِ راست سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں سنا۔ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 277ھ) فرماتے ہیں کہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ یوں تو ثقہ ہیں مگر تفسیری اقوال انہوں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے لئے ہیں۔ عبد الملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 86ھ) نے سعید بن جبیر کو قرآن کی تفسیر لکھنے پر مامور کیا تھا تو سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تفسیر لکھی۔ عطاء بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو یہ تفسیر کہیں سے مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے اس تفسیر کو سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے ارسال کے ساتھ روایت کر دیا۔"

سیدنا ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 150)ھ کے بارے میں بھی معروف ہے کہ انہوں نے تین ضخیم اجزاء پر مشتمل ایک تفسیر لکھی تھی جس کو محمد بن ثور رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 190ھ) نے ان سے روایت کیا ہے۔[1]

جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی زندگی کے ساتھ قرآن کریم کا کس قدر گہرا ربط و تعلّق ہے۔ مسلمان قرآن کریم سے شرعی احکام کا استنباط کرنے کے کس قدر دلدادہ تھے اور اس کی کس قدر شدید ضرورت بھی تھی تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ تفسیر نویسی میں فراء نحوی کو سبقت واوّلیت کا شرف حاصل نہیں ہوا، بلکہ اس سے قبل اس کام کی داغ بیل پڑ چکی تھی البتہ یقینی طور پر پہلے مفسر کے طور پر کسی کا تعیّن مشکل ہے۔ عصر تدوین میں تفسیر پر جو کام ہوا تھا، اگر ہم تک پہنچ جاتا تو بآسانی اس بات کا تعین ہو سکتا تھا کہ وہ سعادت مند شخص کون ہے جس نے اس انداز پر سب سے پہلے تفسیر قرآن پر مشتمل کتاب لکھی۔

تفسیر بالرّائے مذموم اور عقلی تفسیر

ان ادوار کے بعد تفسیر بالماثور کے ساتھ تفسیر بالرائے مذموم کی آمیزش شروع ہوگئی۔ تفسیر میں بکثرت تصانیف منظر عام پر آنے لگیں، اسناد میں اختصار کیا جانے لگا، روایت بالاسناد کی قید باقی نہ رہی۔ جو تفسیری اقوال مفسرین سلف سے منقول تھے، ان کی جانب منسوب کیے بغیر ان کو نقل وروایت کیا جانے لگا۔ جس کے نتیجے میں تفسیر میں وضع واختراع کا عمل دخل شروع ہوا۔ صحیح اور ضعیف اقوال میں فرق وامتیاز نہ رہا۔ ان کتبِ تفسیر کو پڑھنے والا اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا کہ ان میں جو کچھ بھی ہے، صحیح ہے۔ چنانچہ متاخرین بلا جھجک اسرائیلیات کو ایک حقیقت سمجھ کر نقل کرنے لگے۔ اس سے تفسیر میں موضوعات اور اسرائیلیات کا دروازہ چوپٹ کھل گیا۔ آہستہ آہستہ عقل و نقل میں باہم آمیزش واختلاط کا آغاز ہوا۔ ان مفسرین میں وہ بھی تھے کہ جن کا مقصدِ وحید مختلف اقوال وآثار کو جمع کرنا تھا۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب بھی انہیں کسی قول کا پتہ چلتا یا کوئی نئی بات سوجھتی تو فوراً اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے۔ ان کے بعد آنے والے ان اقوال کو بلا سوچے سمجھے نقل کر دیتے اور مطلقاً اس جانب توجہ نہ دیتے کہ مفسرین صحابہ وتابعین نے اس ضمن میں کیا لکھا ہے؟ اس کا محرک یہ حسنِ ظن تھا کہ

[1] التّفسير والمفسّرون: 1/ 80

ان کتب میں جو کچھ بھی مرقوم ہے، وہ صحیح اور درست ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض مفسرین نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کی تفسیر میں دس اقوال نقل کیے ہیں، حالانکہ نبی ﷺ سے اس کی جو تفسیر منقول ہے وہ یہود و نصاریٰ ہی ہے۔ محدّث ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں سرے سے مفسرین کے مابین کوئی اختلاف موجود ہی نہیں۔[1]

عقلی تفسیر کا آغاز شروع میں انفرادی فہم وادرک سے ہوا اور اس کی روشنی میں بعض اقوال کو بعض کے مقابلہ میں ترجیح دی جانے لگی۔ شروع میں اسے اچھی نظر سے دیکھا گیا بشرطیکہ اسکا انحصار قرآنی کلمات کے معنیٰ ومفہوم اور عربی لغت پر ہوتا۔ پھر مختلف ومتنوع علوم ومعارف اور متضاد افکار کے زیر اثر اس کے دائرہ میں وسعت آتی چلی گئی۔ نتیجہ کے طور پر ایسی کتبِ تفسیر منظر عام پر آئیں جن میں تفسیر کے سوا اور سب کچھ موجود تھا۔ اس دَور میں صرف ونحو اور عربی لغت سے متعلق علوم مدوّن ہوئے۔ فقہی مذاہب ظہور پذیر ہوئے۔ کلامی مسائل عام ہوئے۔ عباسی خلافت میں گروہی تعصّب اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔ مختلف اسلامی فرقے اپنے مخصوص افکار وعقائد کی دعوت دینے لگے۔ فلسفہ سے متعلق کتب کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ سب علوم اور ان کے متعلقات تفسیر کے ساتھ گھل مل گئے کہ جس کے نتیجہ میں نقل کا پہلو مغلوب اور عقلی پہلو غالب ہو گیا۔ جو شخص بھی کسی علم وفن میں کمال رکھتا تھا، اس کی تفسیر اسی علم تک محدود رہ گئی۔ ہر مفسر نے قرآن کو اپنے مذہب کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ یہ منطقی وعقلی میلان جاری رہا اور بعض ادوار میں اسے بڑی مقبولیت ملی۔ عصر حاضر میں بھی ایسے مفسر موجود ہیں جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن کو ظاہری وباطنی طور پر عصری علوم کا گنجینہ ثابت کر دیں۔ انکے نزدیک گویا قرآن کے وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ زمانہ کے ساتھ چل سکے۔ حق بات یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کے ساتھ غلو ہے جس سے قرآن اپنے اس ہدف ونصب العین سے نکل جاتا ہے جس کے لئے اسے اتارا گیا۔ لیکن اس عقلی تفسیر کے باوجود بھی تفسیر بالمنقول کا تصور بالکل ختم نہ ہو سکا۔ مختلف ادوار میں ایسے علمائے ربانی موجود رہے جو اس طوفان کا مقابلہ کرنے کیلئے سینہ سپر ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے خالص نقلی انداز میں قرآن کی تفسیریں لکھیں اور ان میں سے بعض اس سلسلے میں صحیح وسقیم روایات میں امتیاز بھی نہ کر سکے۔

تدوینِ اُصولِ تفسیر

جب علمائے کرام نے تفسیروں میں وضع واختراع، صحیح وسقیم اقوال، اسرائیلیات کی بہتات، فقہی اور کلامی بحثوں کی یہ صورتحال دیکھی، تو متاخرین کی تفسیروں کا تقابل متقدمین کی تفسیروں سے کیا۔ پس لا محالہ ان میں یہ فکر پیدا ہوئی کہ ان اصول وقواعد کو مدون کیا جائے جو قرآنِ کریم کے فہم اور تفسیر میں ممد ومعاون ثابت ہو سکیں

[1] الإتقان في علوم القرآن: 2/ 190

اور جنہیں صحابہ وتابعین تفسیر قرآن میں مد نظر رکھتے تھے تاکہ تفسیر بالمنقول والمعقول میں حق اور باطل کے درمیان امتیاز ہو سکے اور صحیح تفسیری اقوال کو باطل سے جدا کیا جاسکے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "مقدّمة في أصول التّفسير" کا سببِ تالیف یہی بیان کرتے ہیں۔[1]

اگر اصولِ تفسیر کی تدوین کے حوالے سے پچھلے علماء کی علمی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے تو چار قسم کی کتب سامنے آتی ہیں:

کتبِ اصول فقہ جن میں فقہائے کرام نے قرآن وسنت سے استدلال واستنباط کرنے کے اُصول واضح کیے اور ان کتابوں میں اصولِ تفسیر کو بھی مفصل طور پر واضح کیا گیا۔ اس سلسلے کی پہلی جامع کتاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'الرسالہ' ہے کہ جس میں انہوں نے کتاب وسنت کی بنیادی مباحث، مراتبِ بیان، ناسخ ومنسوخ، عموم خصوص، مجمل مفصل اور امر ونہی وغیرہ کے متعلّق تفصیلی بحث کی۔ اور یہ تمام علوم اصولِ تفسیر اور اصولِ فقہ میں مشترک ہیں۔

کتبِ تفسیر، جن کے مقدمات میں مفسرین نے مصادرِ تفسیر ذکر کیے یا بعض آیات کی تفسیر کے دوران اصولِ تفسیر کی بعض جزئیات پر بحث کی۔ ان میں سے بعض کتب حسبِ ذیل ہیں:

① جامع البيان لابن جرير 310هـ

② التّحرير والتّنوير للطاهر ابن عاشور 1393هـ

③ النّكت والعيون للماوردي 450هـ

④ أضواء البيان لمحمّد الأمين الشّنقيطي 1393هـ

⑤ جامع التّفاسير للراغب الأصفهاني 502هـ

⑥ المحرّر الوجيز لابن عطية 541هـ

⑦ الجامع لأحكام القرآن لمحمّد بن أحمد القرطبي 671هـ

⑧ تفسير القرآن العظيم لابن كثير الدمشقي 774هـ

کتب علوم القرآن، ان کتابوں میں شائد کوئی ایسی کتاب ہو جس میں مصادرِ تفسیر جیسے اہم ترین موضوع پر گفتگو نہ کی گئی ہو۔ ان میں سے بعض کتب یہ ہیں:

⑨ البرهان للزّركشي 794هـ

⑩ الإتقان للسّيوطي 911هـ

⑪ مناهل العرفان للزّرقاني 1367هـ

---

[1] مقدّمة في أصول التفسير: ص1

⑬ مباحث في علوم القرآن لمنّاع القطّان 1420ھ

وہ کتب جو اصول تفسیر یا مناہج تفسیر کے نام سے لکھی گئیں، اس طرز پر باقاعدہ تدوین آٹھویں صدی ہجری میں ہوئی۔ اس حوالے سے پہلی کتاب امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اُصولِ تفسیر کے حوالے سے معروف کتب کے نام حسبِ ذیل ہیں:

① مقدّمة في أصول التفسير لابن تيمية 728ھ

② أصول التفسير لابن قيم الجوزية 751ھ ولكن لم توجد هذه الرّسالة الآن

③ التيسير في قواعد علم التفسير لمحمد سليمان الكافيجي 879ھ

④ الفوز الكبير في أصول التفسير لشاه ولي الله الدهلوي 1176ھ

⑤ فتح الخبير في أصول التفسير لشاه ولي الله الدهلوي 1176ھ

⑥ الإكسير في أصول التفسيرلصدّيق حسن خان 1307ھ

⑦ التّكميل في أصول التأويل لعبد الحميد الفراهي 1349ھ

⑧ القواعد الحسان لتفسير القرآن لعبد الرحمن السعدي 1376ھ

⑨ درايت تفسیری للحافظ عبد الله محدث الروبري 1382ھ

⑩ التّفسير والمفسرون للدّكتور محمّد حسين الذهبي 1397ھ

⑪ التّفسير ورجاله للفاضل بن عاشور 1390ھ

⑫ أصولٌ في التّفسير للشّيخ محمّد بن صالح العُثيمين 1421ھ

⑬ قواعد التّفسير للدكتور خالد بن عثمان السبت

⑭ أصول التّفسير وقواعده لخالد بن عبد الرحمن العك

⑮ أصول التفسير وبحوث فى أصول التفسير كلاهما للدّكتور محمد لطفي الصّباغ

⑯ دراسات في أصول التّفسير لمحسن عبد الحميد

⑰ أصول التفسير ومناهجه للدكتور فهد الرّومي

⑱ فصول في أصول التّفسير للدكتور مساعد بن سليمان الطيار

⑲ مفهوم التّفسير والتّأويل والاستنباط والتدبّر والمفسّر للدّكتور مساعد بن سليمان الطيار

⑳ مناهج المفسرين للدكتور محمود النقراشي السّيد علي

㉑ مناهج المفسرين للدّكتور أحمد بن محمد الشّرقاوي

㉒ القول المنير في علم أصول التّفسير للشيخ إسماعيل عنان زين اليمني المكي

خلاصہ بحث

اصول تفسیر کے مادہ اور موضوع کی تدوین مختلف ارتقائی مراحل سے گزری ہے۔ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں قرآن مجید کی تفسیر کے اصول رائج تو تھے لیکن مدون صورت میں موجود نہ تھے۔ پہلے پہل متقدمین مفسرین نے اپنی تفاسیر کے مقدمات میں ان اصولوں کو بیان کرنا شروع کیا کہ جن کی روشنی میں انہوں نے امہات التفاسیر مرتب کیں۔ قرون وسطی میں علوم القرآن کی کتب میں ان اصول وضوابط کو تفصیل سے بیان کیا گیا کہ جنہیں تفسیر قرآن میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔ متاخرین کے ہاں اصول تفسیر کے عنوان سے اس موضوع پر مستقل تصانیف مرتب کی گئیں۔ ان اصولوں کو وضع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تفسیری اقوال میں صحیح وسقیم میں تمیز ہو سکے، اسرائیلیات سے استفادے کا ضابطہ وضع ہو سکے، تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے میں فرق ہو سکے، اور سلف صالحین کے تفسیری منہج کی وضاحت ہو سکے۔